ڈاکٹر نقیب احمد جان

استاد شعبہ اردو، ویمن یونی ورسٹی، صوابی

اُردو اور پشتو کے ایک دوسرے پر اثرات

Each and every language has its influence on other languages and vice versa. No language in the current era can prove itself a stand alone one. Urdu the National language of Pakistan and Pashto the Language of Pashtun's have vast influence on each other because their speakers live closer to each other from the very first day of the birth of Urdu langage. These influences of both the languages are breifley discussed in this paper.

پشتو برصغیر پاک وہند کی ایک بہت پرانی زبان ہے اور پشتو بولنے والے پشتون، پٹھان یا افغان عرصے سے برصغیر پاک وہند کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کا عمل دخل پورے ہندوستان میں صدیوں سے رہا ہے اس وجہ سے برصغیر پاک وہند کی دوسری زبانوں کا پشتو سے متاثر ہونا ایک فطری اور قدرتی عمل ہے۔ خاص کر اردو زبان پر پشتو کے اثرات اس حوالے سے بہت زیادہ ہیں کہ جب اردو زبان کی داغ بیل پڑ رہی تھی اس دور میں ہندوستان میں پشتو کا عمل دخل بہت زیادہ رہا ہے۔ علاوہ ازیں اور بہت ساری ایسی عوامل ہیں جن کے سبب اردو کو پشتو سے متاثر ہونا تھا۔ عالم وفاضل محقق حنیف خلیل پشتو کو ہندوستان کی زبانوں کی امِ السنہ کہتے ہیں اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں تاریخ اور لسانیات کے حوالوں سے مدلل بحث کرتے ہیں۔ وہ لسانیات کے تناظر میں بچے کی جبلت اور پھر اس کی زبان پر وارد ہونے والے پہلے لفظ بابا کے حوالے سے ایک مدلل اور طویل بحث کے بعد یہ ثابت کرتے ہیں کہ بابا کا لفظ اپنے صحیح معنوں میں باپ کے لیے صرف پشتو زبان میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ دوسری زبانیں بولنے والے اس لفظ کو اپنی زبانوں کا لفظ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اصل میں یہی لفظ اپنی ہیئت اور معنی کے لحاظ سے باپ کے لیے صرف پشتو زبان میں موجود ہے اور بچہ جب زبان کھولتا ہے تو جبلی طور پر وہ سب سے پہلے بابا کا لفظ بولتا ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ پشتو انسان کی جبلی اور فطری زبان ہے۔ یہ بات وہ امیر حمزہ خان شنواری کے حوالے سے اس طرح کرتے ہیں:

"حمزہ بابا نے انسانی زندگی کے مختلف ادوار پر ایک مثنوی ژوند اویون (زندگی اور چلن) کے نام سے لکھی ہے۔ اس مثنوی میں وہ انسان کی فطری زبان پشتو کو قرار دیتے ہیں۔ اور نفسیاتی حوالے سے بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچے کی زبان پر سب سے پہلے بابا، ماما، دادا وغیرہ کے الفاظ وارد ہوتے ہیں اور انسان کی فطری و ابتدائی زبان پشتو ہی ہے۔" (۱)

آگے جا کر وہ حمزہ بابا کے دو اشعار کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ حمزہ بابا کے اشعار کا ترجمہ اس طرح سے ہے:

"خدا جانے اس میں کون سا راز پنہاں ہے کہ بچے کی زبان پر بابا، ماما، دادا کے الفاظ ابتدا ہی میں وارد ہوتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ازل سے انسان کی فطری زبان پشتو ہی ہے۔"(۲)

وہ کہتے ہیں کہ ہر چند حمزہ بابا کے اس بیان کی بنیاد شدید قومیت کے احساس اور اپنی زبان سے انتہائی محبت اور عقیدت کا نتیجہ ہو سکتا ہے تاہم وہ پھر ایک مدلل بحث سے ان الفاظ کو پشتو کے الفاظ ثابت کر دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عربی المنجد اور المعجم دونوں لغات 'بابا' کو عربی الاصل قرار دیتے ہیں لیکن عربی میں بابا کے لیے 'اب' بنیادی مادہ ہے اور یہ لفظ بعینہٖ عربی میں موجود نہیں، نہ صرف یہ بل کہ عربی میں دیگر رشتوں کے لیے مختص الفاظ جیسے ماں کے لیے 'ام' اور بھائی کے لیے 'اخ' کی ابتدا بھی الف ہی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا عربی میں اس لفظ کا آغاز 'ب' سے نہیں الف ہی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ فارسی، سنسکرت اور انگریزی زبانوں کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری ہندوستانی زبانوں کا تجزیہ بھی لسانیات کے حوالے سے انہوں نے پیش کیا ہے۔ پھر نفسیات کے حوالے سے بھی انسان کی زبان پر سب سے پہلے وارد ہونے والے الفاظ کا تجزیہ انہوں نے کیا ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں:

"حمزہ بابا کی قومیت و عقیدت میں سرشار جذبے کو نفسیات کی تائید بھی حاصل ہے اسی لیے تو وہ پشتو ہی کو انسان کی فطری زبان قرار دیتے ہیں۔"(۳)

پشتو انسان کی جبلی یا فطری زبان ہے یا نہیں یہ بات اتنی اہم نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ پشتو کی قدامت اور بحیثیتِ زبان اس کے بھرپور وجود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جب وہ اس کو ہندوستانی زبانوں کی ام السنہ کہتے ہیں تو یہ بات قابلِ التفات اور قابلِ غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اصل موضوع یہ ہے کہ ہندوستانی زبانوں کی ماں کون سی ہے۔ یہ زبان یقیناً کوئی ایسی زبان ہو سکتی ہے جس میں وسعت اور جاذبیت ہو۔ اگر ہم ہندوستانی زبانوں کے مزاج پر غور کریں تو صرف پشتو ہی ایسی زبان ہے جس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، کیونکہ زبانوں پر جغرافیہ اور آب وہوا کا اثر ہوتا ہے۔ پشتون ایک ایسے خطۂ زمین میں آباد ہیں جو ایران اور ہندوستان کے وسط میں واقع ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ پشتونوں نے مختلف اوقات میں ایران کی جانب بھی پیش قدمی کی ہے اور ہندوستان کی جانب بھی۔ لہٰذا دونوں کا ان سے متاثر ہونا ایک فطری امر ہے اور دونوں سے ان کی زبان کا ہمہ گیر اور مکمل ہونا بھی لازمی ہے اور یہ بات موجودہ پشتو زبان سے بھی ثابت ہے کہ اس میں ہر خیال اور فکر کے ابلاغ کے لیے سہولت موجود ہے۔"(۴)

برصغیر پاک وہند یا ہندوستان میں پشتونوں کے وجود سے کسی کو انکار نہیں اور یہ بات بھی سبھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پشتونوں نے نہ صرف مختلف ادوار میں ہندوستان پر لشکر کشی اور یلغاریں کی ہیں بل کہ یہاں پر ان کی باقاعدہ ریاستیں اور حکومتیں بھی رہی ہیں۔ اور ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی زبان کو ترک نہیں کیا بل کہ یہاں بھی وہ پشتو ہی بولا کرتے تھے۔ حنیف خلیل لکھتے ہیں:

"پشتون ہندوستان میں بھی یہی زبان بولتے تھے حتی کہ شیر شاہ سوری اور پھر اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اور پھر سر سید احمد خان کے دور تک پشتون اپنی زبان بولتے تھے۔ اگرچہ حکومتی سرپرستی فارسی کو حاصل رہی لیکن عوام ہی نہیں بل کہ حکومتی افواج اور سرکاری کارندوں میں بھی پشتونوں کی زبان پشتو ہی رہی۔" (۵)

جب اتنے طویل عرصے تک کسی علاقے میں کوئی زبان بولی جاتی رہی ہو تو اس علاقے کی دوسری زبانوں کا اس سے متاثر ہونا ایک فطری اور قدرتی عمل ہے۔ پشتو کے الفاظ کا سراغ سنسکرت سے لے کر ہندوستان کی تمام زبانوں میں لگایا گیا ہے۔ پھر اردو زبان تو جب پروان چڑھ رہی تھی اس دور میں ہندوستان میں پشتو کا وجود مسلم رہا ہے۔ اس حوالے سے پشتو سے اردو کا متاثر ہونا لازمی تھا کیونکہ اردو تو بنی ہی مختلف زبانوں کے ملاپ سے ہے اور اس میں انجذاب کی طاقت بدرجۂ اتم موجود ہے سو اس نے پشتو کے بہت سارے الفاظ بلا واسطہ یا بالواسطہ اپنے اندر جذب کر لیے ہیں اور ایسے جذب کر لیے ہیں کہ اب اس کے اپنے الفاظ ہی دکھائی دیتے ہیں سو اس طرح یہ اظہر من الشمس

ہے کہ اردو کی تشکیل میں پشتو کا انتہائی اہم کردار رہا ہے۔ حنیف خلیل اردو کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اردو جس جغرافیہ میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی اس جغرافیہ پر صدیوں سے پشتونوں اور افغانوں کا تہذیبی اور لسانی غلبہ رہا ہے۔ جب اردو پیدا نہیں ہوئی تھی تب بھی اس علاقہ میں پشتونوں کا عمل دخل رہا ہے۔ اور جب اردو پیدا ہوئی اس وقت بھی ان علاقوں پر پشتونوں کے اثرات موجود رہے ہیں۔ گویا اردو نے جنم لیتے ہی ابتدائی اثرات افغانوں اور پشتونوں سے لیے اور اس طرح اردو کی تشکیل میں ان کا بہت اہم کردار رہا ہے۔" (۶)

پشتونوں کے ہندوستان میں رہنے کے ساتھ ساتھ مزید بھی کچھ ایسے عوامل تھے جن کے سبب سے اُردو پشتو سے متاثر ہوتی رہی۔ پروفیسر فارغ بخاری نے ان عوامل کو اس طرح سے بیان کیا ہے:

" ۱۔ پشتو ہندوستان کی زبانوں میں سب سے قدیم زبان اور افغان تہذیب سب سے قدیم تہذیب ہے اس لیے مابعد کی تمام دوسری زبانوں اور تہذیبوں پر ان کا اثر ہونا لازمی ہے۔

۲۔ ہندوستان میں اول تا آخر تمام یلغاریں شمال مغرب کی طرف سے ہوتی رہیں۔ ان یلغاروں کے ہمراہ ہمیشہ افغانوں کے لشکر ہوتے تھے۔ ان ہی لشکروں میں ایک نئی زبان کا ریختہ تیار ہوا جس نے لشکر کی رعایت سے اردو نام پایا۔

۳۔ افغانوں کے ملک میں اس زبان نے جنم لیا اور اسی آغوش میں پلی بڑھی۔

۴۔ افغانوں کی بنائی ہوئی سراؤں میں پروان چڑھ کر اس نے وضاحت کی سند پائی۔

۵۔ افغانوں کے ساتھ یہ ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچی اور ان کی بستیاں ہی اس کا مرکز بنیں۔

۶۔ افغانوں نے نظم و نثر کی تخلیق کا آغاز کیا اور ہندوستان کے بیشتر عظیم شاعر و ادیب افغانی النسل تھے۔

۷۔ اردو کو پشتو الفاظ سے پاک کرنے کی شعوری کوششوں کے باوجود آج بھی اس میں پچاس فی صد پشتو الفاظ ہیں۔

۸۔ سرحد کے مرکزی شہروں میں اردو زبان کی ابتدائی شکل آج بھی ہندکو کی صورت میں رائج ہے جو دکنی زبان سے اتنی مماثلت رکھتی ہے کہ ان کے افعال پر مصدر اور بیشتر الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔" (۷)

فارغ بخاری جو عوامل بیان کرتے ہیں ان میں بھی سب سے پہلے وہ جس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ پشتو ہندوستان کی زبانوں میں سب سے زیادہ قدیم زبان ہے۔ اب یہ واضح ہے کہ نئی آنے والی زبانوں پر اس قدیم زبان کے اثرات ضرور پڑتے ہونگے۔ مزید یہ کہ پشتو جن کی زبان ہے یعنی پشتون یا افغان تو وہ ہندوستان پر ہونے والی یلغاروں میں ہمیشہ لشکروں کا ایک حصہ رہے ہیں اور ان لشکروں کا عمل دخل ہندوستان میں ہر دور میں رہا ہے۔ فاتحین اور حاکموں کا محکوموں اور مغلوبوں کی زبان کو متاثر کرنا اغلب اور قرینِ قیاس ہے۔ افغانوں نے ہندوستان میں اور ہندوستان کی شاہ راہوں پر سرائیں اور مہمان خانے بنائے تھے جہاں پر افغانوں اور دوسری اقوام کا آپس میں غلط اختلاف اور میل جول ہوتا رہتا تھا یہیں پر سے اردو زبان کا خمیر اُٹھا۔ افغانوں نے ہندوستان کے کونے کونے میں اپنی بستیاں بسائی تھیں اور ان کی بستیوں میں مقامی لوگوں کی بود و باش اور آنا جانا بھی رہتا تھا اس طرح افغانوں کے ساتھ مقامی لوگوں کا میل ملاپ ہوتا رہتا تھا جس کے نتیجے میں لازمی طور پر ان کے لیے رابطے کی زبان کی ضرورت پڑتی رہتی تھی اور ان کے لیے یہ سہولت اردو کی صورت میں پیدا ہوئی۔ نتیجے کے طور پر افغانوں کی بستیوں میں اردو زبان کی نشو و نما ہندوستان کے دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ سنجیدگی اور تیزی سے ہوتی رہی۔ اُردو زبان کے عروج کا زمانہ مغل دورِ حکومت ہے اور مغلوں نے ہندوستان کی حکومت افغانوں سے چھین لی تھی اس طرح مغلوں اور افغانوں کی آپس میں عداوت اور رنجش فطری بات تھی۔ اس تناظر میں جب اردو کے عروج کا زمانہ ہوا تو افغان دشمنی کے سبب اردو میں سے پشتو الفاظ کو نکلوانے کی شعوری کوششیں کی گئیں تاہم فارغ بخاری کے کہنے کے مطابق ان کی یہ کوششیں کچھ زیادہ کارگر ثابت نہ ہو سکیں اور اب بھی پشتو کے تقریباً پچاس فی صد الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔ اردو کی جنم بھومی دکن ہونا اردو کی ابتدا کے حوالے سے ایک مضبوط نظریہ ہے یعنی اردو دکنی سے نکلی ہے۔ فارغ بخاری کے کہنے کے مطابق پشتونوں کے علاقوں میں بولی جانے والی ہندکو زبان دکنی سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے اس حوالے سے جتنا دعویٰ دکن والوں کو اردو کی آفرینش کے بارے میں ہے اتنا ہی ہندکو بولنے والے بھی

دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے بھی دیکھیں تو اُردو کی آفرینش میں پشتونوں یا افغانوں کا بہت بڑا ہاتھ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اردو میں شعر و شاعری اور نثر دونوں کے ابتدائی ایام میں سے افغان شاعروں کا کلام میسر ہے اور نثر کے میدان میں پشتو کی اولین کتاب خیر البیان میں بھی اردو کا نمونہ موجود ہے۔ ان ثبوتوں اور عوامل کے علاوہ فارغ بخاری مزید لکھتے ہیں:

" افغان حکمران تھے، افغان فوجی قوت کے مالک تھے۔ افغان ملازمتوں پر فائز تھے، افغان کاروبار پر چھائے ہوئے تھے، افغان علماء تبلیغ کے سلسلے میں عوام میں کام کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں افغانوں نے مقامی لوگوں سے رشتے کر لیے۔ یہ مغلوں نے بھی کیا تھا لیکن وہ بہت بعد کی بات ہے اور اس کی نوعیت بھی جدا تھی۔ افغانوں نے ادنیٰ اور متوسط طبقے میں رشتے کیے۔ اس طرح عوام سے ان کا میل جول بڑھا۔ ان کے گھر میں زبان بنتی رہی اور جو مخلوط نسل پیدا ہوئی وہ مخلوط زبان بولتی ہوئی پیدا ہوئی۔ " (۸)

افغانوں کا عمل دخل ہندوستانی معاشرے میں ہر سطح پر اس طرح ثابت ہے کہ وہ حکمران بھی تھے، فوج میں بھی افغان تھے، کاروبار بھی افغانوں کے ہاتھوں میں تھا اور تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا فرض بھی افغان علماء ہی انجام دیتے رہے۔ اس طرح ان افغانوں یا پشتونوں کا براہِ راست تعلق امراء اور رئیسوں سے لے کر ادنیٰ اور متوسط طبقے تک ہر سطح پر پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے مقامی لوگوں کے ساتھ رشتے ناطے بھی کر لیے اور ادنیٰ اور متوسط طبقے سے لے کر اعلیٰ طبقے تک ایک نئی اور مخلوط نسل تیار ہوتی گئی اور اس نسل کی پیدائش ہی ایک نئی اور مخلوط زبان کی پیدائش کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ افغان باپ اور ہندوستانی ماں یا افغان ماں اور ہندوستانی باپ کا بچہ ضرور پشتو اور ہندوستانی زبان کے اختلاط کا موجب بنتا تھا۔ سو تاریخی حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی اردو پر پشتو کے اثرات واضح تر نظر آتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک پروفیسر محمد افضل رضا کی کتاب کے دیباچے میں اردو پر پشتو اور پشتونوں کے اثرات کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"برصغیر پاک وہند کی مضبوط ثقافت میں اردو کو جو مقام حاصل ہے اور جن نئے پرانے علوم کو عوام تک پہنچانے ان کی تعلیم و تعلم کا ذریعہ بنانے میں ان تمام قومیتوں کا کردار ایک مشترکہ تحریک کی صورت میں قابلِ ستائش ہے لیکن اس ثقافت کو جو کچھ پشتونوں نے دیا ہے اس کا مقابلہ شاید ہی کوئی قومیت کر سکے۔ برصغیر کی تہذیب و ثقافت کے

کسی بھی پہلو میں سر فہرست نام پشتونوں ہی کے نظر آئیں گے۔ یہ پشتون جو صدیوں سے ایک تاریخی عمل میں یہاں کے پہاڑوں سے تلاشِ معاش یا اپنے جوہر و استعداد کو آزمانے کے لیے سرزمینِ ہند میں داخل ہوتے رہے ہیں تو تاریخ کے اوراق ان کے سپاہیانہ کمالات کے علاوہ ان کے فنی صلاحیتوں کے بھی گواہی دیں گے۔ جن کی بنا پر ان کوہستانی پشتونوں نے تہذیبِ ہند میں اپنے ہنر اور تفکر کا رنگ بکھیر دیا ہے۔ اور پھر خصوصی طور پر ہند کی ثقافت کو اسلامی سانچے میں ڈھلنے اور ڈھالنے میں ان نادرِ روزگار افغانوں نے جو کردار ادا کیا ہے اس پر پاکستان کے عوام بہ جا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ فنِ حرب، فنِ موسیقی، فنِ تعمیر اور دیگر علوم و فنون میں ان پشتونوں کا جو حصہ ہے اس کے تذکرے کے بغیر اردو ادب کی تاریخ مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔ پروفیسر افضل رضا کا یہ تحقیقی مقالہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اردو زبان و ادب کے ارتقا و ترقی اور پرورش میں جو کارہائے نمایاں پشتونوں نے ادا کیے ہیں اس کے سبب پشتون اردو پر بنیادی حق جتانے میں حق بہ جانب نظر آتے ہیں۔" (۹)

اردو کی آفرینش کے حوالے سے پروفیسر محمد افضل رضا کی تحقیق قابلِ غور ہے اور پروفیسر ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک نے بہ جا طور پر کہا ہے کہ افضل رضا کا یہ تحقیقی مقالہ اس ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اردو زبان و ادب کے ارتقا و ترقی میں جو کارہائے نمایاں پشتونوں نے ادا کیے ہیں اس کے سبب سے پشتون اردو پر بنیادی حق جتانے میں حق بہ جانب نظر آتے ہیں۔ پروفیسر محمد افضل رضا نے اردو کے قدیم شعراء پر تحقیقی مواد جمع کرنے میں عمرِ عزیز کے تیس سال لگائے ہیں اور انہوں نے وہ دور کی کوڑی لائی ہے جس کو اگر جوئے شیر لانے کے مترادف کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس کتاب کے اولین باب میں انہوں نے تاریخ کے حوالے سے پشتونوں کے ہندوستان میں عمل دخل کو انتہائی چابک دستی اور اختصار سے پیش کیا ہے۔ اس کا خلاصہ اگر نقل کیا جائے تو لطف سے خالی نہیں ہو گا۔

ان کے کہنے کے مطابق پشتو تقریباً چار ہزار سال قدیم زبان ہے۔ چار ہزار سال پہلے سے اس کی موجودگی کے شواہد ملے ہیں اور اس کی معلوم شدہ پہلی نظم کا عہد ۱۳۹ھ ہے۔ اردو کو ہندوستانی کا نام قدیم افغان و غیر افغان شعراء نے دیا ہے۔ ہندوستان پر تمام حملے پشتونوں کے علاقوں سے ہوئے اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں علمائے دین بھی اسی سمت سے وارد ہوئے۔ محمود غزنوی کی فوج میں ۱۲ ہزار افغان فوجی شامل تھے جن کی مدد سے انہوں نے راجہ

جے پال کو شکست دی۔ سلطان محمد غوری افغانوں کا پہلا حکمران تھا جس نے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ ترائن کی پہلی اور دوسری جنگ میں ہزاروں کی تعداد میں افغان فوجی شامل تھے۔ غیاث الدین بلبن کے ساتھ تین ہزار افغان جانبازوں نے میواتیوں کی بغاوت رفع کرنے کے لیے مدد کی۔ جلال الدین خوارزم شاہ کی معیت میں افغان ہی تھے جو چنگیز خان کے خلاف لڑتے رہے۔ التمش کی فوج میں بھی افغان تھے۔ بلبن کی وفات کے بعد محمد شاہ کے عہد میں مغلوں کو پنجاب سے مار بھگانے کا کام افغان سرفروشوں نے کیا۔ جلال الدین فیروز خلجی، علاؤ الدین خلجی اور تیمور کی فتوحات کا سہرا بھی افغان جیالوں کے سر ہے۔ سید خضر خان کی حکومت کے اہم ستون افغان رہے۔ تقریباً ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے افغان حکمران، عساکر اور تجار کے علاوہ علمائے دین اور مشائخ کا تعلق افغانوں کی نسل سے رہا جنھوں نے ہندوستان کے کونے کونے تک دینِ اسلام کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے جدّ اعلیٰ فرخ شاہ غوری کابل کے حاکم تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ حافظ محمود شیرانی نے نقل کیا ہے کہ

ے　　وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے　　　　خیز درآں وقت کہ برکات ہے

شیر شاہ سوری کے دور کے مشہور افغان ولی اللہ شیخ عیسیٰ مشوانی نے فارسی، پشتو اور قدیم اردو (ہندوی) میں شاعری کی۔ دورِ اکبری سے متعلق پیر روشان کی مشہور کتاب خیر البیان میں ہندی زبان یعنی قدیم اردو موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کابل الاصل تھے۔ تقریباً گیارہ سو برس پہلے ملتان پر لودھی افغان حکمران تھے۔ یہاں افغانوں کا پہلا بادشاہ شیخ حمید لودھی تخت نشین ہوا جس کو محمود غزنوی نے شکست دی۔ افغانوں نے تقریباً چار صدیوں تک ہندوستان پر مسلسل حکومت کی۔ ان میں غوری، سور، تغلق، خلجی، لودھی اور دیگر افغان خاندان شامل رہے۔ بانیٔ رُوہیل کھنڈ نواب علی محمد خان یوسفزئی اور والیٔ رام پور حافظ رحمت خان عمر خیل افغان کی اولاد نے اردو کی جتنی خدمت کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ عہدِ درانی سے انگریزوں کے دور تک ہندوستان میں افغانوں کی جو مختلف ریاستیں موجود رہیں ان کے نام یہ ہیں۔ مدوٹ، مالر، کوٹلہ، جوناگڑھ، پالن پور، ٹونک، بلاس نور، رام پور، بھوپال، گدی، باونی، جاورہ، کوروانی، منادر اور نیٹوا۔ اردو پر تحقیق کے سلسلے میں بھی افغان محققین کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ 'پنجاب میں اردو' کے مصنف حافظ محمود شیرانی افغان تھے۔ عصرِ حاضر کے مشہور محقق اور عالم فاضل ڈاکٹر جمیل جالبی یوسفزئی افغان ہیں۔ آپ کے بزرگ منگلور سوات سے ہندوستان منتقل ہوئے۔ مصطفیٰ خان شیفتہ 'گلشنِ بے خار' کے مصنف بنگش افغان ہیں۔

محمد افضل رضا کے پر مغز اور مبنی بر تاریخی حقائق معلومات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد اردو، پشتو، سنسکرت، اوستا اور فارسی زبانوں کے الفاظ کے مابین مماثلت کے جو نمونے انہوں نے درج کیے ہیں وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

اردو	پشتو	سنسکرت	اوستا	فارسی
چمڑا	سرمن(خرمن)	چرمن	چرمن	چرم
رات	شپہ	شب	شب	شب
انگارہ	انگار	انگار	--	انگار
سسر	سخر	سوسور	ہوسور	خُسر
زمین	زمکہ	جماکہ	زیم	زمین
ستارہ	ستورے	ستارہ	ستویسہ	ستارہ
شاخ	شاخ	شاکھ	--	شاخ
پانی	اوبہ	آب	آپہ	آب
گندم	غنم	گودم	--	گندم
سفید	سپین	سپیت	سپیتا	سفید
نیا	نوے	نو	نوا	نو
دوپہر	غرما	گھرما	گرم	--

ان زبانوں کے اعداد و شمار کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ میں مشابہت قابلِ غور ہے۔

اردو	پشتو	سنسکرت	اوستا	فارسی
ایک	یو	ایکم	ایوہ	یک
دو	دوہ	دوا	دوہ	دو
تین	درے	تری	تھری	سہ
چہار	چلور،خلور (سلور)	چتوار	چتور	چہار
پانچ	پنزہ،پنخہ	پانزچہ	پنچہ	پنج

چھے	شپږ (شپگ)	شپش	شوش	شش
سات	اووہ	سپتہ	ہتہ	ہفت
آٹھ	اتہ	اشتا	ہشت	ہشت
نو	نہہ	ناوا	نو	نُہ
دس	لس	داشا	دسا	دہ
بیس	شل	ویشی	ویستی	بیست

وغیرہ"(۱۰)

پروفیسر پریشان خٹک نے تو اردو اور پشتو کے مشترک الفاظ پر ایک باقاعدہ کتاب ترتیب دی ہے جس کو سال ۱۹۸۶ء میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے پانچ ہزار بائیس ایسے الفاظ جمع کیے ہیں جو اردو اور پشتو میں مشترک ہیں۔ پروفیسر موصوف اردو کی قوتِ انجذاب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اردو زبان دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر یوں جذب کر لیتی ہے کہ خود اس کے اپنے بچے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ان کے خیال میں دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے اندر جذب کرنے کی طاقت کسی زبان کے زندہ ہونے اس کی وسعت کی اہلیت اور خوبی کی آئینہ دار ہے۔ انگریزی زبان جو کہ اب بین الاقوامی زبان ہے اس میں بے شمار فرانسیسی، لاطینی، عبرانی، اطالوی، عربی اور جرمن الفاظ ہیں۔ بل کہ انگریزی نے اردو کے الفاظ اپنانے میں بھی شرم اور عار محسوس نہیں کی۔ تو پھر اگر کوئی مشرقی زبان دوسری زبانوں سے استفادہ کرتی ہے تو یہ باعثِ ننگ و عار نہیں بل کہ اس کو اس کی خوبی سمجھ لینا چاہیے۔ پروفیسر موصوف نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کتاب میں موجود پانچ ہزار بائیس الفاظ صرف پشتو یا اردو کے الفاظ نہیں بل کہ ان میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، ترکی اور انگریزی وغیرہ زبانوں سے دونوں زبانوں میں در آئے ہیں اور انہوں نے ان الفاظ کو اپنے اندر ایسے جذب کر لیا ہے کہ اب ان کے اپنے الفاظ ہی لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا بھی نہیں کہ انہوں نے یہ الفاظ ایسے ہی لکھ دیے ہیں۔ ان الفاظ کی تصدیق دونوں زبانوں کی مستند لغات سے کی جا سکتی ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:

> "اس فہرست کی مرتب کرنے کی اشد ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ کچھ لوگ زبانوں کو ایک دوسرے سے لڑانے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ یہ حقیقت بالکل بھول چکے ہیں کہ

زبانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ نہ تو کبھی جھگڑا رہا ہے اور نہ ہی رہے گا۔ یہ تو ایک دوسرے کو گلے لگانے کے لیے بے چین رہتی ہیں۔ اب اگر ہمارے دانشور اور مصنفین ان ہزاروں مشترک الفاظ کو بنیاد مان کر اپنی تخلیقات منظرِ عام پر لائیں گے تو پاکستان میں ان کی زبردست پذیرائی ہو گی۔ یوں ہم زبانوں کا خود ساختہ مسئلہ احسن طریقے سے حل کر سکیں گے۔ آیئے ہم یہ عہد کرلیں کہ اس خوبصورت دھرتی کی خاطر یہ ایک نیا تجربہ کرنا شروع کریں کہ اردو، پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، بروہی، کشمیری، چترالی وغیرہ کے مشترک لغوی ورثے سے بھرپور فائدہ اٹھا کر قومی یک جہتی کو مضبوط سے مضبوط تر بنا کر دم لیں گے۔" (۱۱)

پروفیسر پریشان خٹک کی مرتب کردہ اس فہرست سے پشتو اور اردو کے ایک دوسرے کے ساتھ قریبی لسانی روابط کا بہ خوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ پشتونوں نے کبھی بھی اردو کے ساتھ غیروں کا رویہ نہیں برتا بل کہ ہمیشہ اس زبان سے اُنس و محبت روا رکھی ہے۔ یہاں تک کہ پشتون آج بھی خط و کتابت اور تحریر کے حوالے سے پشتو کی جگہ اردو کو اولیت دیتے ہیں۔ اس حوالے سے رضا ہمدانی لکھتے ہیں:

"صوبہ سرحد کے حوالے سے بلا خوف و تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اردو زبان صدیوں سے متعارف و رائج ہے۔ شعر و شاعری کے علاوہ سماجی، نجی، ذاتی، گھریلو اور کاروباری شعبوں میں اردو کا بہت بڑا اور مثبت کردار رہا ہے۔ مراسلت اور خط و کتابت کے لیے بھی اردو ہی کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ عدالتوں، ورنیکولر دفاتر اور تھانہ کچہری میں بھی اوائل سے آج تک اردو رائج ہے۔" (۱۲)

پشتونوں کے ساتھ مغل حکمرانوں کی مخاصمت اور دشمنی کی وجہ سے اردو زبان میں سے پشتو کے الفاظ کے اخراج کا کام سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا۔ پشتونوں کے اردو پر حق کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن پشتونوں کے اردو پر اتنے گہرے اور ان مٹ اثرات و نشانات ہیں کہ نہ تو وقت کے دبیز پردے اور گرد و غبار ان کو ڈھانپ سکتے ہیں اور نہ مخاصمت اور عداوت کی چھری ان کو اردو کے وجود سے الگ کرنے میں کامیاب ہو سکے گی۔ انسانی معاشرہ جوں جوں ترقی کرتا جا رہا ہے، حقیقتیں کھلتی جا رہی ہیں۔ ہر تحقیق کی بنیاد سائنسی اور نفسیاتی ہوتی جا رہی ہے۔ اور اب کوئی شخص غیر سائنسی اور غیر حقیقی تحقیق اور سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ زمینی

حقائق اور سائنسی تحقیق ایسے وسائل ہیں جو مخاصمت کی عینک لگا کر لوگوں کو سیدھے راہ سے بھٹکانے والی باتوں کی قلعی کھولنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے ہیں۔ عہدِ حاضر کے نابغہ محقق اور اردو پر عظیم کام کرنے والے ڈاکٹر جمیل جالبی اردو اور پشتو کے تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

> " پٹھانوں نے اردو زبان کو اور اردو زبان نے پٹھانوں کو اتنا کچھ دیا ہے کہ ایک کی شخصیت دوسرے میں جھلکنے لگی ہے۔ تاریخ کے صفحات کی سرسری ورق گردانی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ملکی، فوجی و انتظامی خدمات پر یہ لوگ کتنی کثیر تعداد میں مامور تھے۔ مغلوں نے چونکہ لودھیوں سے حکومت لی تھی جو پٹھان تھے۔ اس لیے مغلوں کی سیاسی طور پر یہ کوششیں رہیں کہ انہیں اس طرح دبا کر رکھا جائے کہ یہ سر نہ اٹھا سکیں۔ مغلوں کی راجپوت دوستی اس پالیسی کا نتیجہ تھی۔ مغلیہ تاریخوں میں قدم قدم پر افغان دشمنی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے آج ہم اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھتے ہیں تو پٹھانوں کی خدمات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اگر محمد بن قاسم کی فتوحات کے ساتھ وادئ سندھ میں اتنے گہرے لسانی تغیرات ہوئیں اور آلِ غزنہ کے دورِ حکومت میں پنجاب کی زبان میں غیر معمولی تبدیلی آئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ان تبدیلیوں میں پٹھانوں کی زبان و معاشرت نے حصہ نہ لیا ہو۔" (۱۳)

آگے جا کر وہ اردو کے چند ایسے الفاظ نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اردو میں پشتو سے آئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

ایسے سینکڑوں اردو کے ٹکسالی الفاظ پشتو ہی سے آئے ہیں۔ مثلاً

پشتو	اردو	
انگڑ کنگ خڑ	انگڑ کھنگڑ	آڑ کباڑ
اُوش	ہوش	
بوتے	بوتہ	جون بوتہ ہو گئی
پخ	پخ	
پر کٹے	پر کٹا	گیلڑ

تن توش	تن توش	
ٹس ٹس	ٹس ٹس	بندوق کی آواز یونہی ٹس ٹس ہو کر رہ گئی
حال احوال	حال احوال	
ہریان	حیران، ہریان	
خلتہ	خلتہ	تھیلا، پاجامے کو کاٹتے وقت تھیلا بناتے ہیں جسے خلتہ کہتے ہیں
ڈوزہ، ڈوزے	ڈُزیں مارنا	شیخی بگھارنا
سنڈہ	سنڈا	سنڈا مسٹنڈا
سودہ	سادہ سودہ	
گیر	گھیر	حویلی سے ملحق بڑا سا احاطہ
وخت	وقت	وقت
یار	یار	عاشق۔"(۱۴)

ڈاکٹر صاحب کے مطابق پشتونوں، افغانوں یا پٹھانوں نے اردو زبان کی جو خدمات ہندوستانی پٹھان بن کر انجام دی ہیں۔ ان سے تاریخ ادبیات کا ہر طالب علم واقف ہے۔ پروفیسر افضل رضا نے ایک با قاعدہ اور مبسوط مقالہ ان اردو کے قدیم پشتون شاعروں پر تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے سیکڑوں پشتون شعراء کے مختصر حالاتِ زندگی اور ان کا نمونہ کلام درج کیا ہے۔ تیس سالوں کی محنتِ شاقہ انہوں نے اس اہم علمی اور تحقیقی کارنامے کو پورا کرنے کے لیے روا رکھی۔ ان کی تحقیق کے مطابق شیخ عیسیٰ مشوانی اردو کے پہلے پشتون شاعر ہیں۔ جن کے کلام کا نمونہ ہاتھ آیا ہے۔ شیخ عیسیٰ مشوانی کا دور شیر شاہ شوری کا زمانہ ۹۴۸ھ سمجھا جاتا ہے۔ ان کا جو کلام محققین کے ہاتھوں تک پہنچا ہے وہ قدیم ہندوی زبان کا نمونہ ہے۔ اور اس طرح سے ہے:

"کلمی از جو گیا لکھ
اس کارن نکیجو اتا دوکھ
گھر بیٹھی وہ دیسی دام
جو توکرسی الہ یقین

کامل ہوسی تیرا دین

روی عیسیٰ جو تورہ نسنکہ

حیوانیاں توں اوس دھر رکھ "(۱۵)

ان کے بعد بایزید انصاری، محمد عزیز ارزانی، دولت لوانی، خوشحال خان خٹک، رحمان بابا اور حمید بابا کے ہاں بھی ہندوستانی زبان یا اردو میں شعر و نثر کے نمونے ملتے ہیں۔ تاہم جس نے فارسی اور پشتو کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں باقاعدہ شاعری کی وہ معزاللہ خان مہمند ہیں۔ ان کے بارے میں افضل رضا لکھتے ہیں:

> "معزاللہ خان مہمند، قوم مہمند افغان کے ذیلی شاخ محب خیل میں پشاور کے قریب کوٹلہ محسن خان میں عبداللہ خان بن محمد خان بن مستجاب خان کے ہاں ۱۰۸۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آپ کا پشتو اردو اور فارسی کلام اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ کو علوم متداولہ میں خاص دسترس حاصل تھی۔ ۱۱۷۰ھ کے قریب انتقال کر گئے۔"(۱۶)

آگے ان کے اردو شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "آپ کا یہ مختصر اردو کلام لطافت اور شیرینی کے لحاظ سے کسی بھی قدیم اردو شاعر سے کم نہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ اردو شاعری اس خالص زبان میں ہے جو ان دنوں مروج تھی۔ بل کہ ہو بہو ولی اورنگ آبادی کی زبان ہے۔" (۱۷)

ان کے کلام کا جو نمونہ انہوں نے درج کیا ہے اس سے نمونے کے طور پر چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

"میں روتا رو تا بہوت جو ہوں دونوں نینوں موں ناسور ہوا

یہی رونا تیری یاد ستیں تب چلتا ہوں دستور ہوا

اب کیا پکاروں رو رو کر مکھ لال لہو سوں دھو دھو کر

کیا راز چھوپاؤں برھوں کا جوں عالم موں مشہور ہوا

تک افغاں مکھوں قرار نہیں جوں ساجن مجسوں یار نہیں

وہ بتا تا کب دیدار نہیں بہوت اپنی پر مغرور ہوا" (۱۸)

ایک اور غزل کے اشعار اس طرح سے ہیں:

"جس نے جو دیکھا روئے تو دیوانہ ہو رہا
آئینہ خانہ تجھ سوں پری خانہ ہو رہا
پکڑے تمہارے بال اپنی ہاث موں تجھی
شمشاد تا دو زلف تراشانہ ہو رہا
تیری کٹاری پرم کی دل موں میرے لگی
پیتا لہو ہوں دل مرا میخانہ ہو رہا
نرگس تیری دو نین سوں بیمار یہ رہا
سرواز خیال قد تو مستانہ ہو رہا
پوشیدہ دل میرے موں جو تھا راز عاشقی
افغاں تمام خلق موں افسانہ ہو رہا" (۱۹)

ان کے بعد سینکڑوں ہزاروں ایسے افغان اور پشتون شاعر گزرے ہیں جنہوں نے اپنے کلام اور اپنے خیالات سے اردو ادب کی جھولی کو بھرنے میں اپنے حصے کا کردار ادا کیا ہے۔ اگر اردو ادبیات میں سے پشتون شعراء، ادباء اور عالموں کے کیے ہوئے کام اور ان کی تخلیقات کو نکال باہر کیا جائے تو اردو ادبیات کا ذخیرہ آدھے سے بھی کم رہ جائے گا۔

اردو اپنی آفرینش سے لے کر اس وقت تک دوسری ہندوستانی اور مقامی زبانوں سے متاثر ہوتی آ رہی ہے اور ان کے الفاظ کو اپنے اندر جذب کرتی اور سمیٹتی جا رہی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک اردو کی دو اردو زبانیں بن گئیں، یعنی ہندوستانی اردو اور پاکستانی اردو۔ بل کہ انڈیا میں تو اس کا نام ہی تبدیل کر کے اسے ہندی کہا جانے لگا ہے۔ اس جغرافیائی اور سیاسی علیحدگی کا اثر بھی اردو زبان پر پڑتا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں اگر اردو میں ہندی اور دوسری ہندوستانی زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا عمل دخل وہاں پر اس زبان کے معاملے میں بڑھ گیا ہے تو یہاں پاکستان میں پاکستان کی علاقائی زبانوں کا میل جول اردو کے ساتھ بڑھ گیا ہے اور یہاں پر پاکستانی علاقائی زبانوں کا اثر اردو پر پڑ رہا ہے اور آئندہ بھی پڑتا رہے گا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

"اور اب پاکستان میں اردو پر پنجابی اور پشتو وغیرہ کے اثرات نقلِ وطن کے نتیجے کے طور پر آئندہ رونما ہوں گے۔" (۲۰)

ڈاکٹر سہیل بخاری انگریزی کی مثال دے کر اپنے اس دعوے کی دلیل مہیا کرتے ہیں کہ زبان جب دوسرے علاقے میں جاتی ہے تو وہاں پر علاقائی زبانوں یا زبان کے اثرات قبول کرتی ہے۔ اور اس طرح اس کی بنیادی ڈھانچے میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"زبان جب دوسرے لسانی علاقے میں پہنچتی ہے تو علاقائی زبان کے اثرات بھی قبول کرتی ہے جس سے اس کا ایک علاقائی محاورہ بن جاتا ہے۔ انگریزی زبان جب برطانیہ سے چل کر امریکہ پہنچی تو وہاں کی علاقائی زبانوں کے اثرات قبول کر کے امریکی انگریزی کہلائی، برطانوی دورِ حکومت میں اس کا جو محاورہ ہندوستان میں رائج ہوا اس کو ہندوستانی انگلش کا نام دیا گیا جس میں گرامری اصول، اسلوب اور روایات و تلمیحات کے علاوہ تقریباً ایک ہزار الفاظ یہاں کی علاقائی زبانوں سے مستعار لیے گئے ہیں۔" (۲۱)

اسی تناظر میں وہ اردو کا تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اردو زبان بھی ہندوستان میں جن جن علاقوں میں گئی وہاں کی علاقائی زبانوں کے اثرات قبول کر کے اس علاقے کی رعایت سے دہلوی اردو، لکھنوی اردو، حیدر آبادی اردو وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ بالکل یہی حالت اردو کی قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں بھی رہی ۔ڈاکٹر موصوف آگے جا کر لکھتے ہیں:

"پاکستان میں بھی علاقائی زبانوں کے میل ملاپ سے اردو کے مختلف محاورے تیار ہو رہے ہیں۔ لاہوری اردو کا محاورہ پچھلی صدی میں ہی بن چکا تھا اب کراچوی اردو، حیدرآبادی اردو، سرگودھوی اردو، اسلام آبادی اردو، پشاوری اردو، ملتانی اردو، حیدر آبادی یعنی سندھی اردو اور ڈھکی اردو جیسے اس کے الگ الگ ہیولے بن رہے ہیں جن کے پختہ اور واضح روپ کچھ وقت گزرنے کے بعد سامنے آجائیں گے۔" (۲۲)

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اس دنیا میں ایک چیز جب دوسری چیز کو متاثر کرتی ہے تو نتیجے یا ردّ عمل کے طور پر اس دوسری چیز کے کچھ اثرات پہلی والی چیز پر بھی پڑتے ہیں۔ بعینہٖ اسی اصولِ قدرت کے تحت اگر علاقائی زبانیں اردو کو متاثر کر رہی ہیں تو بہ ذاتِ خود علاقائی زبانیں بھی اردو سے متاثر ہو رہی ہیں۔ اور زبانوں کا یہ ایک دوسرے کو

متاثر کرنے کا عمل کبھی رکتا نہیں بل کہ ہر دور میں اور ہر زمانے میں جاری رہا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔ڈاکٹر سہیل بخاری اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ علاقائی زبانیں بھی قومی زبان کے اثرات جذب کرتی ہیں۔ پاک و بھارت کے علاقائی زبانوں پر انگریزی زبان نے جو اثرات ڈالے ہیں ان میں نہ صرف الفاظ بل کہ صرفی و نحوی اصول اسلوبِ بیان روزمرہ و محاورہ و استعارات، تلمیحات و روایات کتنی ہی باتیں شامل ہیں۔۔۔۔۔اردو زبان نے بھی اپنے سفر میں علاقائی زبانوں کو جو کچھ دیا ہے اس کا صحیح اندازہ برج بھاشا، ہریانی، اودھی، دکنی اور لاہوری پنجابی کی تحریر و تقریر کا تجزیہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔"(۲۳)

اگر پنجابی زبان کے اثرات اردو پر پڑتے ہیں تو اردو کے اثرات بھی پنجابی پر پڑیں گے۔ اگر پشتو زبان اردو کو متاثر کرتی ہے تو پشتو بہ ذاتِ خود بھی اردو سے متاثر ہو گی۔ آج کل دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو رہی ہے، گلوبل ویلج کے پل پل کی خبریں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیکنڈوں کے اندر اندر پہنچ جاتی ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے یورپ، امریکہ اور ایشیا کے باسی فوراً باخبر ہو سکتے ہیں۔ فاصلوں کی کوئی وقعت اور کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔ ہر کوئی دنیا بھر کی خبروں دنیا کے کسی کونے میں بھی پیش آنے والے پل پل کے واقعات سے اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر اپنے گھر کے اندر ہی لاتعداد ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ کے ذریعے سے سیکنڈوں میں آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ کی صورت میں ہر فرد کے لیے دنیا کی بیشتر زبانیں ایک کلک یا ریموٹ کے ایک بٹن دبانے پر ہر لحہ میسر رہتی ہیں۔ایسی صورت میں زبانوں کا ایک دوسرے کے عمل دخل سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا ممکن نہیں، لازمی طور پر ایک زبان کے الفاظ دوسرے میں سرایت کرتے جائیں گے، ایک زبان پر دوسری زبان کے اثرات پڑتے جائیں گے۔ فی زمانہ خالص زبان کوئی بھی نہیں ہو سکتی، کوئی بھی زبان یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس کے لسانی ڈھانچے، صرفی و نحوی نظام اور الفاظ کے ذخیرے کو کسی بھی دوسری زبان نے متاثر نہیں کیا ہے۔ آج کل تو معاملہ صرف علاقائی اور سرحداتی حدوں تک بھی محدود نہیں رہا بل کہ زبانوں کا ایک دوسرے کو متاثر کرنے اور ایک دوسرے کے الفاظ قبول کرنے کی بات عالمی سطح تک پہنچ گئی ہے۔ کسی بھی زبان کے شیریں، میٹھے، بامعنی اور صوتی حسن رکھنے والے الفاظ کو اپنانے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے، بل کہ ہر زبان اور اس دور کی ہر زندہ زبان کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ

اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی استطاعت اور طاقت پیدا کرلے۔ نئی سائنسی دنیا میں صرف اس صورت میں کوئی زبان ترقی کی منزلیں طے کر سکے گی جب وہ اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی طاقت وقت کے رفتار کے ساتھ تیز سے تیز تر کرتی جائے گی۔ اگر کسی زبان میں قوتِ انجذاب نہیں اور وہ نئے الفاظ اور جدید اصطلاحات کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو سائنس و ٹیکنالوجی کی اس تیز رفتار دنیا (جہاں پر روزانہ سینکڑوں نئی ایجادیں ہوتی ہیں اور نئی اصطلاحات وضع ہوتی رہتی ہیں) کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا اور بہت جلد اس کو ایسی زبان میں تبدیل ہو جانا ہے جس کو نئے دور کا انسان ناقص اور نا مکمل تصور کر کے چھوڑنے پر مجبور ہوگا۔ اس لیے راقم کے خیال میں دنیا کی تیز رفتار ترقی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے لازم ہے کہ ہر ایک زبان بولنے والے اپنی زبان میں اتنی استعداد اور قوتِ انجذاب پیدا کرتے رہیں کہ وہ نئے دور کے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ نئی ایجادات و اختراعات کے لیے وضع ہونے والی نئی اصطلاحات کو قبول کر سکتی ہوں اور سب سے بڑھ کر اس زبان کے بولنے والوں میں اتنی ذہنی پختگی اور شعور کا ہونا لازمی ہے کہ وہ اپنی زبان کو ایک مقدس روایت کی طرح سالم و محفوظ اور کسی قسم کے تغیر و تبدل سے پاک رکھنے کی بہ جائے اس کو ذریعۂ اظہار سمجھتے ہوئے اس کی روز افزوں ترقی کے لیے کوشاں ہوں۔

وطنِ عزیز پاکستان کی علاقائی زبانوں اور قومی زبان اردو کو اپنے درمیان ایک دوستانہ رویہ اپنائے رکھنے کی ضرورت ہے۔ زبانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی دشمنی، کوئی عداوت نہیں۔ بہ قولِ پروفیسر پریشان خٹک کچھ لوگ ہیں جو زبانوں کو آپس میں لڑانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں ورنہ تو ساری زبانیں ایک دوسرے کو گلے لگانے کے لیے بے قرار ہیں۔ ایک دوسرے کے صرفی و نحوی نظام، ایک دوسرے کے لسانیاتی تاریخ اور ایک دوسرے کے لفظی ذخیرہ سے استفادہ کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ پاکستان کے علاقائی زبانیں بولنے والے ہر فرد، ہر شاعر اور ہر ادیب کو یہ شعوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی علاقائی زبان اور اس کی قومی زبان اردو کے درمیان ہم آہنگی، اُنس و محبت اور باہمی تعاون کی فضا قائم اور استوار رہے۔ لسانی عصبیت اور زبان کے حوالے سے اولادِ آدم کو تقسیم کرنے اور ان کے درمیان مخاصمت، دشمنی اور نفرتوں کا بیج بونے کے بہ جائے زبان کو صرف ذریعۂ اظہار سمجھ کر دوسرے آفاقی اور انسانی جذبات، فلاح و بہبود، بلند انسانی اقدار اور دنیا کی روز افزوں ترقی اور امن و خوشحالی کے لیے تگ و دو کو اہمیت اور وقعت دینی چاہیے۔ اگر علاقائی اور قومی زبان کے اندر یگانگت، باہمی تعاون اور اُنس و محبت کی فضا قائم رہے گی تو اس کے بولنے والوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔ بہ صورتِ دیگر افراتفری اور انتشار

کو ختم کرنا اور بے اتفاقی کا سدِّباب کرنا ممکن نہ ہو گا۔ پروفیسر پریشان خٹک نے پاکستان کے اہل قلم، ادباء اور شعرا سے التماس کی تھی کہ وہ زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کی کوشش کریں ان کو ایک دوسرے سے لڑانے کا عمل ترک کر دیں۔ اگر پاکستانی زبانوں کے مشترک لسانی ذخیرے کو بروئے کار لاتے ہوئے پاکستانی ادب کی تخلیق ہو گی تو اس سے نہ صرف یہ کہ پاکستانی ادب کی ایک الگ تشخص اجاگر ہو گی بل کہ اس کے ساتھ ساتھ ہر علاقائی زبان بولنے والا اس میں اپنی علاقائی زبان کا عکس دیکھتے ہوئے اس سے یک گونہ لگاؤ اور دلی وابستگی رکھے گا۔ نہ صرف یہ کہ اس کی پذیرائی پورے پاکستان میں یکساں طور پر ہو گی بل کہ قومی یگانگت اور ملکی سلامتی کے لیے یہ ایک نیک فال اور اچھا شگون ثابت ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ حنیف خلیل، اردو کی تشکیل میں پشتونوں کا کردار، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۵، ص ۱۵۴

۲۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۳۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۴۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۶۔ حنیف خلیل، پاکستانی زبانوں کا تہذیبی مطالعہ، غزنوی پبلشرز، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۲

۷۔ فارغ بخاری، ادبیاتِ سرحد، جلد سوم، ص ۱۹، ۲۰

۸۔ ایضاً، ص ۳۵

۹۔ راج ولی شاہ خٹک، ڈاکٹر، دیباچہ، مشمولہ: اردو کے قدیم پشتون شعراء، پروفیسر محمد افضل رضا، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، ۱۹۹۸ء، ص ۸، ۹

۱۰۔ محمد افضل رضا، پروفیسر، اردو کے قدیم پشتون شعراء، پشتو اکیڈمی جامعہ پشاور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۷ تا ۲۹

۱۱۔ پریشان خٹک، پروفیسر، عرضِ حال، مشمولہ: اردو اور پشتو کے مشترک الفاظ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۴

۱۲۔ رضا ہمدانی، قومی زبان و ادب کی ترقی میں سرحد کا حصہ، مشمولہ: پاکستان میں اردو (تیسری جلد اباسین)، مرتبین: پروفیسر فتح محمد ملک، سید سردار احمد پیرزادہ، تجمل شاہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص۹۹
۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، سرحد میں اردو روایت، مشمولہ: پاکستان میں اردو (تیسری جلد اباسین)، مرتبین: پروفیسر فتح محمد ملک، سید سردار احمد پیرزادہ، تجمل شاہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۵۳
۱۴۔ ایضاً، ص۳۵۳، ۳۵۴
۱۵۔ محمد افضل رضا، پروفیسر، اردو کے قدیم پشتون شعراء، ص۵۵
۱۶۔ ایضاً، ص۸۰
۱۷۔ ایضاً، ص۸۰
۱۸۔ ایضاً، ص۸۱
۱۹۔ ایضاً، ص۸۲
۲۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، فروری ۱۹۹۱ء ص ۲۲
۲۱۔ ایضاً، ص۴۵۰
۲۲۔ ایضاً، ص۴۵۱
۲۳۔ ایضاً، ص۴۵۱، ۴۵۲